

حضرت مولانا جمیل احمد قاسمی سکروڈھوی رحمۃ اللہ علیہ (اُستاد دارالعلوم دیوبند و شارح کتب کثیرہ)

مولانا شفیق احمد بستوی

مہتمم جامعہ خدیجہ الکبریٰ، محمد علی سوسائٹی، کراچی

از ہر ہند مادر علمی دارالعلوم دیوبند کو گزشتہ دنوں ایک اور بڑے صدمہ سے دوچار ہونا پڑا، جب درس نظامی کے ایک کامیاب ترین مدرس اور مایہ ناز شارح حضرت مولانا جمیل احمد سکروڈھوی رحمہ اللہ کا سانحہ ارتحال پیش آیا۔

حضرت مولانا کی شخصیت پاک و ہند بلکہ بنگلہ دیش اور پورے اس بر عظیم میں طبقہ علماء و طلبہ میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے، کیونکہ ”الہدایۃ“ کی شرح ”أشرف الہدایۃ“، ”نور الأنوار“ کی شرح ”قوت الاختیار“، ”أصول الشاشی“ کی شرح ”أجمل الحواشی“، ”منتخب الحسامی“ کی شرح ”فیض سبحانی“ اور ”مختصر المعانی“ کی شرح ”تکمیل الأمانی“ ایسی معروف و مشہور شروحات ہیں جن سے بر عظیم کے اکثر علماء و طلبہ بخوبی واقف ہیں اور تقریباً ہر ایسے مدرسہ کی لاہری میں یہ ضرور موجود ہوں گی جس میں درس نظامی کا سلسلہ ہے۔

مذکورہ بالا شروحات کے مطالعہ سے ہی مولانا کے اندازِ افہام و تفہیم کی بے مثال خوبی کا اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کو اللہ تعالیٰ نے درس کو سمجھانے کی خوب مہارت عطا فرمائی تھی اور اس کا مشاہدہ راقم الحروف کو اچھی طرح ہوا ہے، جس کا تذکرہ آنے والی سطروں میں ہوگا۔

کچھ تذکرہ مولانا کے طالب علمانہ ماضی کا کر لیا جائے، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ کن احوال و ماحول سے نکل کر آپ کی شخصیت پروان چڑھی۔

ضلع سہارن پور کے شمال مغرب میں واقع قصبہ سکروڈھہ میں ۱۹۴۶ء میں پیدا ہوئے، یہ ایک ایسا قصبہ ہے جہاں مسلمانوں کی تعداد آبادی کے لحاظ سے بھاری حصے پر مشتمل ہے اور یہ لوگ کھیتی

باڑی کرنے والے زمین دار ہیں، جن کا بڑا ذریعہ معاش یہی زمین داری ہے، چنانچہ مولانا بھی اسی طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا کے خاندان میں دو افراد علم دین کے میدان میں آگے بڑھے اور پورا درس نظامی مکمل کر کے اشاعتِ علوم دینیہ کی خدمات میں مصروف عمل ہوئے، ان میں سے ایک مولانا کی شخصیت تھی، دوسرے نمبر پر حضرت مرحوم کے چچا زاد بھائی مولانا محمد تحسین صاحب ہیں، جو کہ بقیدِ حیات ہیں۔ حضرت مولانا نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، جبکہ مولانا محمد تحسین صاحب نے مظاہر علوم سہارن پور سے فراغت حاصل کی۔ مولانا کا سن فراغت تقریباً ۱۹۷۰ء ہے۔ جس سال مولانا مرحوم دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، اس سال دو ستارے دارالعلوم کی فضاء میں زیادہ عیاں تھے، یعنی طلبہ کے ماحول میں یہ دونوں امتیازی حیثیت کے حامل سمجھے جاتے تھے، ایک کا نام ”جمیل احمد“ تھا، تو دوسرے کا نام ”شکیل احمد“ تھا۔ یہ دونوں بھائی نہیں تھے، بلکہ دونوں ہم عصر وہم جماعت تھے۔ مولانا شکیل احمد سیتا پوری تھے اور حضرت مولانا سہارن پوری تھے، مگر مولانا نے اپنی کتابوں پر اپنی نسبتِ وطنیہ اپنے مقامِ پیدائش قصبہ سکروڈھہ کی طرف لکھی، جس کی وجہ سے آپ کو سکروڈھوی کی نسبت سے ہی جانا پہچانا جانے لگا۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد مولانا شکیل احمد صاحب سیتا پوری دارالعلوم دیوبند ہی میں مدرس ہوئے اور اپنے اساتذہ و اکابر دارالعلوم کی معیت و سرپرستی میں مشغلہ تدریس میں منہمک ہو گئے اور حضرت مولانا مرحوم اپنے برادرِ مکرم مولانا تحسین صاحب مدظلہ کی معیت و رفاقت میں مدرسہ قاسم العلوم گانگل ہیڑی میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ یہ ادارہ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی یادگار کے طور پر قائم کیا گیا ہے جو کہ دیوبند سے سہارن پور جانے والے جی ٹی روڈ اور سہارن پور سے دہرہ دون جانے والی شاہراہ کے سنگم پر واقع ہے۔ گانگل ہیڑی کے اس مدرسہ میں مولانا تحسین مظاہری صاحب مہتمم اور حضرت مولانا مرحوم ناظم اعلیٰ تھے، چنانچہ اس مدرسہ میں دونوں ہی عظیم الشان درس گاہوں یعنی دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارن پور کے فیوض و برکات پہنچتے رہے اور دونوں جگہوں سے اکابر کی تشریف آوری اس ادارے میں ہوتی تھی، اور طلبہ و اساتذہ کو ان اکابر کی زیارت کا موقع مل جاتا تھا۔ احقر کو اچھی طرح یاد ہے کہ اسی ادارے میں سب سے پہلے حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا فخر الحسن صاحب صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند اور دیگر حضرات کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تھا۔

یہ کوئی ۱۹۷۶ء یا ۱۹۷۷ء کی بات ہے جب مدرسہ ہذا کے طلبہ کو یہ اُڑتی ہوئی خبر معلوم ہوئی کہ حضرت ناظم صاحب دیوبند جانے والے ہیں اور ان کا تقرر دارالعلوم میں ہو گیا ہے، چنانچہ کچھ ہی

مدت بعد حضرت مرحوم دیوبند تشریف لے گئے اور دارالعلوم میں تدریس کا آغاز فرمایا اور اپنے پیچھے مدرسہ قاسم العلوم کا گل ہیڑی کی تمام تر ذمہ داریوں کا بوجھ ظاہر ہے کہ اپنے بڑے بھائی مولانا محمد تحسین مظاہری مدظلہ کے کندھوں پر ہی چھوڑا جس کو وہ بخوبی نبھا رہے ہیں۔

احقر جب مدرسہ قاسم العلوم کا گل ہیڑی سے حفظ القرآن مکمل کر کے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا تو درجہ ثانیہ میں حضرت مولانا جمیل احمد سکروڈھوئیؒ سے ”ہدایۃ النحو“ پڑھنے کا شرف حاصل ہوا اور یہ تھوڑی ہی مدت تک سبق چل سکا کہ دارالعلوم کا قضیہ نامرضیہ پیش آیا اور یہ سبق بھی دیگر تمام اسباق کی طرح موقوف بلکہ معطل ہو گیا اور چند مہینوں تک اسباق کا سلسلہ تعطل کا شکار رہا۔ تقریباً چھ ماہ کی مدت کے بعد جب طلبہ دارالعلوم کو مادر علمی کی آغوش میں واپسی کا موقع ہوا تو انتظام و انصرام کی صورت حال بدل چکی تھی کہ طلبہ کی سرپرستی کرنے والے صرف چند اساتذہ رہ گئے تھے، جو کہ طلبہ کے ساتھ رہے اور دارالعلوم سے انخلاء کی شش ماہی مدت میں بھی ان کی تعلیم و تربیت کی خدمات انجام دیتے رہے اور اساتذہ کرام کی بڑی تعداد دارالعلوم کی منظمہ کے ساتھ رہی، تاہم طلبہ کی تعداد کافی کم رہی۔ ان ہی اساتذہ کرام میں حضرت مولانا جمیل احمد سکروڈھوئیؒ بھی شامل تھے۔ جب طلبہ کرام کی بھاری اکثریت جو کہ چھ ماہ تک خیموں اور کیپ میں اپنی تعلیم و تربیت میں مشغول تھی، دارالعلوم میں واپس آئی تو سارا نظام حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ کی قیادت میں فعال ہوا اور باضابطہ تعلیمی مشاغل بحال ہوئے تو منظمہ سابق دارالعلوم سے خود بخود بے دخل ہو گئی، تاہم ان حضرات نے بھی تھوڑی سی مدت کے بعد دیوبند کی جامع مسجد میں تعلیمی سلسلہ شروع فرمایا اور نئے داخلوں کا اعلان ہوا تو طلبہ کی ایک بڑی تعداد پورے ملک سے جامع مسجد میں داخلے کے لیے آ پہنچی۔ جامع مسجد دیوبند شروع ہونے والے اس نئے تعلیمی و تربیتی ادارہ کو ”دارالعلوم وقف دیوبند“ کا نام دیا گیا، کئی سال تک یہ ادارہ مسجد ہی میں کام کرتا رہا اور طلبہ کے لیے رہائش گاہوں کا انتظام شہر کے مختلف علاقوں میں کرایہ پر عمارتیں لے کر کیا گیا تھا، تاہم چند سالوں بعد دیوبند کی شہری آبادی سے باہر مغربی سمت میں دیوبند کی عید گاہ اور حضرت شیخ الہندؒ کے باغ کے درمیان ایک بڑی اراضی خریدی گئی اور اس پر اب دارالعلوم وقف کی ایک بڑی عمارت قائم ہے۔ دارالعلوم وقف کے مدیر و مہتمم حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ تھے۔

قابل ذکر حقیقت یہ ہے کہ مجھے ہوئے ماہر اساتذہ کرام کی بڑی تعداد دارالعلوم وقف میں مشغول رہی، تاہم مروجہ زمانہ کے ساتھ حالات و واقعات میں نرمی آتی گئی اور باہم دونوں ہی مراکز کے اساتذہ کرام اور طلبائے کرام آپس میں میل جول رکھنے لگے اور دوریاں قربتوں اور لائق روابط

عاقل پہلے قلب سے پوچھتا ہے، پھر منہ سے بات کہتا ہے۔ (حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ)

میں ڈھلنے لگی، اسی اثناء میں محدث کبیر حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ نے عید گاہ اور مزار انوری کے متصل ایک شان دار ادارہ قائم کیا جس کا نام ”جامعة الإمام أنور شاہ“ ہے، جس کا خصوصی امتیاز یہ ہے کہ اس میں شروع سے ہی عربی زبان میں اسباق پڑھائے جاتے ہیں، گویا یہ ادارہ عربی میڈیم ہے۔ اس کی برکت اس طرح ظاہر ہوئی کہ دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم وقف کے کئی اساتذہ کرام نے امتیازی تعلیم و تربیت کی غرض سے اپنے صاحبزادگان کو ”جامعة الإمام أنور شاہ“ میں داخل کرایا، چنانچہ دونوں ہی مراکز کے اساتذہ اس وجہ سے بھی آپس میں قریب ہوئے۔

اور احوالِ باہمی کی بہتری کی صورت میں حضرت مولانا جمیل احمد سکرو ڈھویؒ ۲۰۰۰ء میں دارالعلوم وقف سے چھٹی لے کر مرکزی دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے، اور اپنی تدریسی خدمات میں ہمہ تن مشغول ہو گئے۔ حضرت مولانا مرحوم کی تدریس میں جو بڑی خاص بات تھی، وہ یہ کہ سبق کی توضیح و تفہیم ایسے دل کش انداز میں فرماتے تھے کہ طالب علم کو درس گاہ میں سبق نہ صرف سمجھ میں آ جاتا تھا، بلکہ ذہن نشین بھی ہو جاتا تھا۔ حضرت کی توضیح و تفہیم کی منہ بولتی تصویریں بلکہ تصویریں درس نظامی کی عظیم کتاب ”الہدایۃ“ کی شرح ”أشرف الہدایۃ“، ”نور الأنوار“ کی شرح ”قوت الأخیار“، ”أصول الشاشی“ کی شرح ”أجمل الحواشی“، ”منتخب الحسامی“ کی شرح ”فیض سبحانی“، اور ”مختصر المعانی“ کی شرح ”تکمیل الأمانی“ ہیں، جن کو توجہ سے پڑھنے والا باسانی سمجھ سکتا ہے کہ اللہ پاک نے حضرت مرحوم کو تفہیم دروس کا کیسا ملکہ عطا فرمایا تھا۔

حضرت مرحوم کی گفتگو بڑی صاف، واضح اور بلیغ ہوتی تھی، تاہم دو آہ کے علاقے کی اردو زبان میں جو بے لچک کڑا پن ہے، وہ حضرت مرحوم کے اندازِ کلام میں بھی عیاں تھا۔ حضرت کی ایک خاص بات یہ تھی کہ وہ سامنے والے سے متاثر نہیں ہوتے تھے، بلکہ بجا طور پر اس کو متاثر کرتے تھے، حضرت کو اپنے مشغلہ تدریس سے اتنی محبت تھی کہ زندگی میں کوئی دوسری مشغولیت اختیار نہیں فرمائی، ہاں! البتہ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کتابوں کا کاروبار کیا تھا، چنانچہ آپ نے ”مکتبۃ الحجاز“ کے نام سے ادارہ قائم کیا۔ آج سے تقریباً گیارہ سال قبل جب دیوبند حاضری ہوئی تو ایک دن بعد المغرب کا وقت تھا، حضرت مولانا عبدالرشید بستویؒ کے ساتھ احقر دارالعلوم وقف کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں حضرت کا ”مکتبۃ الحجاز“ آگیا تو مولانا عبدالرشید بستویؒ نے فرمایا کہ: حضرت مولانا جمیل صاحب مکتبے میں تشریف فرما ہیں، چلیں اسی وقت ملاقات ہو جائے، چنانچہ ہم بے تکلف سلام کر کے مکتبہ میں داخل ہوئے، حضرت سے ملاقات ہوئی۔ حال احوال کے بعد احقر نے پوچھا کہ حضرت! یہ کتب کی پبلنگ اور بندل سازی آپ خود ہی کر رہے ہیں؟ تو حضرت نے از روئے

جو ایمان رکھتا ہے کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے، وہ سب احتیاطیں کر سکتا ہے۔ (حضرت امام غزالی رحمہ اللہ)

ظرافت یوں جواب دیا: مولوی شفیق! یہ تو بس اُٹھک بیٹھک ہے اور ہم ہیں اس کام میں نا تجربہ کار، اس لیے بھی ہم جیسا اناڑی آدمی تو ہی اُٹھک بیٹھک کر رہے ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟“ بات یہ تھی کہ حضرت کے مکتبہ پر کام کرنے والا لڑکا کہیں ہوا تھا تو حضرت خود ہی کتابوں کے بندل بنانے اور ترتیب دینے میں مشغول تھے۔ دوران گفتگو حضرت نے شفقت فرماتے ہوئے ہمیں فرمایا کہ: کسی دن ہمارے گھر آ جاؤ تو ذرا اطمینان سے بیٹھک رہے گی، چنانچہ ہم موقع مناسب پا کر ایک دن بعد المغرب حضرت کے گھر جا پہنچے، کافی دیر تسلی بخش ملاقات رہی، حضرت نے اس ملاقات کے دوران اپنے سفر پاکستان کی کچھ روداد بھی سنائی جو ایک گونہ دلچسپی پر مشتمل تھی۔ احقر کی حضرت سے یہی آخری ملاقات تھی اور یہ ان دنوں کی بات ہے جب کہ پرویز مشرف نے لال مسجد پر دھاوا بولا تھا تو ہندوستان کے لوگ ہم سے یہی سوال کرتے تھے کہ بھئی! آپ کے ملک میں یہ کیا ہو رہا ہے کہ حکومت خود ہی مسجد پر ٹیک کر رہی ہے تو ہم یہاں بابر مسجد اور دیگر مساجد پر ہونے والے حملوں کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں؟

بہر حال ایک وقت تھا جو گزر گیا، لیکن حضرت مولانا جمیل احمد سکروڈھوئی کو ہم نے قریب سے دیکھا، مگر ایک شان دار استاذ، ایک بہترین شارح اور مصنف ہونے کے باوجود کوئی بناوٹ، تصنع یا کبر و غرور و خود پسندی نام کی کوئی چیز حضرت میں نہیں نظر آئی۔ بے جھجک، بے لاگ اور بے تمہید و بے تکلف گفتگو آپ کے مزاج کی نمایاں صفت تھی۔ حضرت مولانا جمیل احمد سکروڈھوئی نے ۷۳ سال کی عمر پائی جس میں سے تقریباً چالیس سال دارالعلوم دیوبند میں تدریس کرتے ہوئے گزاری:

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت مولانا مرحوم جب مدرسہ قاسم العلوم گانگہی کے ناظم اعلیٰ تھے، اس وقت حضرت کا ایک صاحب زادہ تھا جس کا نام یاد پڑتا ہے کہ ”خلیل“ تھا، جو راقم الحروف سے عمر میں تین چار سال چھوٹا رہا ہوگا، حضرت کا یہی ایک بیٹا احقر نے دیکھا ہے، اس کے بعد حضرت کی گھریلو زندگی اور خاندان کی تفصیل علم میں نہیں آئی، تاہم دیگر کئی حضرات نے بھی حضرت مرحوم کی سیرت و شخصیت پر مضامین لکھے ہوں گے، بالخصوص ہندوستان میں تو ان کے ذریعے بھی خاندانی تفصیل معلوم ہو سکتی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت مولانا جمیل صاحب جیسے لوگ بڑی مدتوں میں لاکھوں میں سے کوئی اکاؤنٹ ہی پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت نے اپنی عمر کا آخری سال ایک شدید موذی اور تکلیف دہ بیماری میں گزارا ہے، وہ کینسر کا مرض ہے جو حضرت کو گزشتہ ایک سال سے لاحق تھا۔ اللہ تعالیٰ حضرت

اگر تو خدا سے ڈرتا ہے تو اس کے تصرفات میں بات مت کر۔ (حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ)

مرحوم کے درجات کی بلندی اور کفارہ ذنوب کے لیے اس شدید بیماری کو ذریعہ بنادے، تو اس کی شان کریمی سے کیا بعید ہے، جیسا کہ مختلف روایات میں وارد ہوا ہے کہ اللہ پاک جب اپنے بندہ مومن کو گناہوں سے پاک صاف کر کے اٹھانا چاہتے ہیں تو اس کو کسی بیماری میں مبتلا فرما دیتے ہیں اور پھر اسی بیماری کے نتیجے میں اس کو موت کے مرحلے تک پہنچا دیتے ہیں اور اس بیماری جھیلنے کی عوض اس کو گناہوں سے پاک صاف کر کے اٹھا دیتے ہیں، چنانچہ ہم سب اللہ رب العزت کی شان کریمی سے اُمید واثق رکھتے ہیں کہ وہ حضرت الاستاذ مرحوم کی کامل مغفرت فرما کر انہیں درجات کی بلندی نصیب فرمائے گا۔

حضرت مرحوم نے اپنے پسماندگان میں اہل خاندان کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں تلامذہ اور معتقدین چھوڑے ہیں، جو نہ صرف حضرت کے لیے دعائے خیر کا اہتمام کرنے والے ہیں، بلکہ وہ درحقیقت حضرت کے لیے بیش بہا صدقہ جاریہ بھی ہیں کہ وہ علم و عمل کی دنیا میں حضرت مرحوم کے فیوض و برکات کی اشاعت میں ہمہ تن مصروف ہیں اور آگے ان تلامذہ کے تلامذہ اس سلسلے کو آگے جاری رکھیں تو اس طرح ان شاء اللہ! قیامت تک یہ صدقہ جاریہ باقی رہے گا اور اس کا بہت بھاری اجر و ثواب اللہ تعالیٰ حضرت کو عطا فرماتے رہیں گے۔

دارالعلوم دیوبند میں حضرت نے تقریباً چالیس سال تک تدریس فرمائی، اس اعتبار سے بلا واسطہ آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے، تاہم آپ کی مقبول عام شروحات سے جن طلبہ اور اساتذہ نے استفادہ کیا اور کر رہے ہیں ان کی تعداد بھی بلا واسطہ تلامذہ کی تعداد سے دوگنی بلکہ چوگنی زیادہ ہوگی۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ حضرت کو اپنے شایانِ شان بھرپور جزائے خیر عطا فرمائے، اور اپنے مقبول و محبوب بندوں میں شامل فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

اپریل ۲۰۱۹ء کی پہلی تاریخ بروز پیر صبح نوبے دارالعلوم کے احاطہ مولسری میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، جس میں دونوں دارالعلوم اور ”جامعۃ الإمام أنور شاہ“ کے طلبہ و اساتذہ کے علاوہ تقریباً مجموعی طور پر پچاس ہزار لوگوں نے شرکت کی۔ نماز حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ نے پڑھائی اور بعد ازاں آپ کو سوگوار ماحول میں مزارِ قاسمی نامی قبرستان میں اکابر دارالعلوم کے مبارک پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم پر اپنے شایانِ شان کامل رحمت فرمائے اور رفعِ درجات سے نوازے اور تمام ہی پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین، ثم آمین

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

